

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب، لاہور

ج (۱) خلافت راشدہ کے بعد جب ملوکیت کا دور آیا تو اس تبدیلی سے زوال کا ایک انداز پیدا ہو گیا تھا جسے روکنے کے لیے علماء حق نے قانون مدقن کر کے سلاطین اُمراء کو اس کا پابند بنانا چاہا اور اس وقت تک سلاطین سے تعاون نہیں کیا جب تک قانون مدقن نہ ہو گیا۔ اسے لوگ عدم تعاون سے تعبیر کرتے ہیں مگر تعاون میں یہ تامل اس لیے تھا کہ اگر قانون کے مدقن ہونے سے پہلے سلاطین سے تعاون کیا گیا تو قانون کی بالادستی مجروح ہوگی اور سلاطین کی رائے کو برتری ہوگی۔ قانون کی تدوین زوال سیرت کو روکنے کے لیے ضروری تھی کیونکہ انفرادی زندگی میں اخلاق مصلحت بن رہا تھا اور معاشرتی زندگی میں نسلی تفاخر خود پسندی عربی و عجمی کا امتیاز آفا و غلام کا امتیاز اور حاکم و محکوم کا امتیاز غالب آنے لگا تھا لیکن اسلامی اقتدار ہی نہیں تھیں اس لیے سلاطین کے اقتدار کی بدولت قانون کو قوت نافذہ میسر تھی اور علماء کی ذمہ داری قانون سازی کے ذریعے اقتدار حیات کی حفاظت تھی۔

مگر جب سلاطین کی نوازشات کی بدولت علماء میں شریعت کی بجائے تشرع (لفظ قانون کی پیروی) کا نقطہ نگاہ پیدا ہوا تو احکام شریعت کی اتباع میں خلوص ناپید ہونے لگا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے صوفیاء نے تزکیے کی خاطر طریقت پر زور دیا اور مسلم معاشرے میں شریعت و طریقت دینی زندگی کے دو مظہر بن گئے جب تک سلاطین اقتدار سے اور قانون قوت نافذہ سے محروم نہیں ہو گئے قانون سازی کے ذریعے اقتدار حیات کی حفاظت کی جاتی رہی لیکن انسان کی مجبوری یہ ہے کہ جب مؤثرات زندگی یعنی علم اخلاق مذہب، معاشرت، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی زندگی بدل جائیں تو جو تدبیر اقتدار

یات کی حفاظت کے لیے اس تبدیلی سے پہلے وضع کی گئی تھی اس کی خلاف ورزی کے غیر زندگی کے تقاضے پورے ہونے بند ہو جاتے ہیں اس صورت حال میں فقہائے اسلام جہاد کے ذریعے طریق کار میں وہ تبدیلی لانا چاہتے ہیں جس سے انحراف کی راہ اختیار کرنے لوگوں کو روکا جاسکے مگر ہمہ گیر جہاد اور فقیہی جہاد میں فرق ہے اگر موثرات زندگی بدل جائیں، ور زندگی کے تقاضے انحراف کے بغیر پورے ہونے بند ہو جائیں تو فقیہی جہاد اس لئے بے اثر ہو جاتا ہے کہ قانون کی پیروی کی آرڈو ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب مسلم معاشرہ عالمی سطح کے معاشی انقلاب دوچار ہو تو غالب معاشی نظام کی رُو سے تخلیقی جدوجہد کا تعطل حلت و حرمت رہا سے صرف نظم کے بغیر رفع نہ کیا جاسکا۔ اس صورت حال میں معاشی تخلیقی جدوجہد کے تعطل کو رفع کرنے کے لئے رہا کو منافع کینے کا اجتہاد انحراف سے نہ بچا سکا جس کی وجہ یہ تھی کہ تخلیقی جدوجہد کے تعطل کو رفع کرنے کے لیے قرآن نے جو قرض حسنہ کو فرض میں قرار دیا تھا اسے مذہبی ذہن نے انفرادی ملکیت کے سرمایہ دارانہ تقدس کی خاطر مستحب قرار دیدیا۔

اندریں صورت جہاد جہاد اس صورت حال کا علاج تھا وہ قرض حسنہ کو لازم کرنے سے ممکن تھا جسے فقیہی جہاد کی کم بنگا ہی زندہ نہ کر سکی۔

ج (۲) اجتہاد قانون سازی کے اندر جو نقص ہوتا ہے اس کو رفع کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے لیکن اگر تاریخی انقلاب نے اقدار حیات کو باقی ہی نہ رہنے دیا ہو تو قانون کا وظیفہ اقدار حیات کو پیدا کرنا نہیں، بلکہ قانون صرف ان کی حفاظت کر سکتا ہے بشرطیکہ اقدار مٹی ہوں اور قانون کو قوت نافذہ میسر ہو۔ اگر اقدار حیات مٹ گئی ہوں تو وہ قانون سازی سے زندہ نہیں ہو سکتیں انہیں دوبارہ پیدا کرنے کے لئے وہی طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا جس سے وہ پہلے پیدا ہوئی تھیں اور وہ قانون سازی نہیں تھا بلکہ اصلاح زندگی کے ضامن نصب العین کے لیے جو وجود کرنے سے وہ اقدار۔

پیدا ہوئی تھیں۔ اس بات کو سمجھ لیں تو فقی اجتہاد اور فکری اجتہاد میں امتیاز واضح ہوگا۔

ج (۳) اور مردنواہی کی ایسی تشکیل جس میں ان کی پیروی سے اقدار حیات محفوظ

ہو جائیں اور ان کے خلاف ارتکاب کی راہ مسدود ہو جائے۔ اجتہاد کسلائے گی۔

ج (۴) قیاس و استنباط کی دو حیثیتیں ہیں ایک تمثیلی اور دوسری استحضانی قرآن و سنت

کے احکام کی تعبیر میں یا تمثیلی قیاس و استنباط کو اختیار کیا گیا ہے یا استحضانی۔ اگر قانون

کی اصلاح نصب العین کے حوالے سے قانون کے مطابق زندگی کو منضبط و منقاد

بنانے کے لیے کی گئی ہوتی تو قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر میں دونوں قسم کا قیاس

استنباط بیک وقت کارفرما ہوتا اور قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر کو اجتہاد سمجھنے

کی ضرورت پیش نہ آتی۔

ب۔ سنت قرآن کے احکام کے عین مطابق عمل کے نمونہ کمال کی حیثیت رکھتی ہے

اگر ہم نے سنت کو مآخذ قانون سمجھا ہوتا اور اس کے مآخذ قانون ہونے میں پہلے

سنت اور حدیث اور پھر حدیث اور روایت کے درمیان عزیمت کی بجائے

رخصت پر عمل کرنے کی خاطر التباس پیدا کیا ہوتا تو سنت سے نہ غلامی کو دوام

میسر آتا نہ باندیوں سے جنسی تنوع کا جواز نکلتا۔

ج (۵) اگر ائمہ اربعہ کے دور سے لے کر آج تک مؤثرات زندگی یعنی علم اخلاق

مذہب قانون معاشرت معیشت سیاست اور بین الاقوامی زندگی میں کوئی فرق

نہیں پڑا تو حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں لیکن

اگر انفرادی زندگی میں مقصدیت کی بجائے بے مقصدی غالب آگئی ہو اور حصول

نصب العین کی جدوجہد میں کامیابی پر ایمان باقی نہ رہا ہو اور خواہشات ضبط و

انقیاد کی پابند نہ رہی ہوں اور معاشرتی زندگی میں کلمہ طیبہ کی بجائے جفر فانی و

دوستی و وحدت عمرانی وحدت کے شعور کی اساس بن گئی ہو اور معیشت میں حرص و لالچ اور بخل کے غالب آجانے کی وجہ سے انفرادی ملکیت کا تقدس قائم ہو گیا ہو اور زندگی کے سیاسی پہلو میں ہوس اقتدار اتنی غالب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نشاندہی ان تطع اکثرون فی الارض یفسدوک عن سبیل اللہ کے باوجود کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی کا وجود میں لانا غیر ضروری متصور ہوتا ہو اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کے خلاف دشمنی اتنی شدید ہو کہ اس میں کسی اُصنافے کی گنجائش باقی نہ رہی ہو اور عالم اسلام کے اندرونی انتشار نے امت مسلمہ کی وحدت کے شعور کو اتنا فنا کیا ہو کہ عالم اسلام ایسی سینتالیس مقتدر ریاستوں میں اختلال پذیر ہو کر رہ گیا ہو جو آپس ہی میں محاذ آرائی میں مصروف ہوں اور غیر اسلامی دنیا کی اسلام دشمنی بھی اُن کے اندر اسلامی اتحاد کا شعور پیدا کرنے سے قاصر ہو تو کیا ائمہ اربعہ کے اجتہاد کی پیروی عالم اسلام کے اس ابتلاء کا مداوا ہو سکتی ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو چشم مار و شش دل ماشاء۔

ج (۶) خدا اسلامی میں جوہد کا اصلی سبب قرآنی اصطلاحات کا مفہوم خود قرآن سے اخذ کرنے کی بجائے لغت سے اخذ کرنا ہے۔ مثلاً کتاب و سنت کے حوالے سے کتاب ایک کلمے ہوئے ضابطے سے زیادہ متصور نہیں ہوتی اگر یہ صحیح ہو تو کافروں پر قرآن مجید کے اس طنز کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا۔ ۱۵ھ ہی ولا کتاب منین اگر کتاب لکھا ہوا ضابطہ ہی ہے تو اسے توریت کی تمثیل پر قیاس کیا گیا ہے اور توریت کی تقدیر ہے کہ اس کا پیرو کوئی معاشرہ زوال میں مبتلا ہونے کے بعد نئی بعثت کے بغیر کبھی زوال سے نہیں نکل سکا۔ اس لئے قرآن کو بحیثیت کتاب توریت کی تمثیل پر قیاس کرنے والا ذہن ختم ہوت کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل سے مایوسی میں

بتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ج (۷) ائمہ اربعہ جس ماحول میں اجتہاد کی طرف متوجہ ہوئے تھے اس میں پیغمبرانہ

تعلیمات سے پیدا ہونے والی اقدار حیاتِ مٹ نہیں گئی تھیں اس لیے اس دور

میں قانون سازی کی جدوجہد کتاب و سنت، اجماع صحابہ اور قیاس کی بنیاد پر کی گئی

فقی اور تکمیل دین کا مفہوم تکمیل فقہ سمجھا گیا تھا مگر جسے قرآن تکمیل دین کہہ رہا ہے وہ

تکمیل فقہ ہرگز نہیں ہے کیونکہ فقہی ذہن نے تکمیل دین کا مفہوم انیوم اکملت

لکم دینکم کے حوالے سے متعین کیا ہے مگر جب ہم پوری آیت پر غور

کرتے ہیں یعنی انیوم یس الذین کفرو امن دینکم فلا تخشونہ

واخشونی انیوم اکملت لکم دینکم وانتم مسلمون علیکم نعمتی ورضیت

لکم الاسلام دینا تو تکمیل دین اس رہنمائی سے عبارت ہوگی جس میں ولو

نکرہ المشرکون کے چیلنج کو پورا کرنے کی ضمانت تھی۔ اور وہ رہنمائی فقہی محکمات پر

مشتمل تھی بلکہ کوینی محکمات پر مشتمل تھی اور کوینی محکمات وہ کائناتی قوانین ہیں جن سے

وامرو نواہی کے اتباع کا ہم آہنگ ہونا اتنا ضروری ہے کہ اگر وہ ہم آہنگی پیدا نہ ہو

تو تمام وامرو نواہی کی پیروی انحراف کے برابر ہو جاتی ہے۔

اندریں صورت ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد اگر یہ ہوں کہ پہلے قرآن پھر حدیث

پھر اجماع صحابہ پھر قیاس پھر اجتہاد تو قرآن معاذ اللہ حاکم بدہن پانچویں درجے میں

ناقص و مآخذ قانون قرار پاتا ہے جس کی کمی پہلے حدیث پھر اجماع صحابہ سے، پھر

قیاس سے، پھر اجتہاد نو سے پوری کی جاتی ہے۔ لہذا یہ امر غور طلب ہے کہ ایسی

صورت حال جس میں اقدار حیاتِ مٹ رہی ہوں اور قانون سازی

موثراتِ زندگی کے بدل جانے کی صورت میں بے نتیجہ ہو کئی ہو تو اجہت و ہی

بے نتیجہ ہو کر رہ جاتا ہے پھر اس کے اصولوں کے بدلنے نہ بدلنے کا سوال ہی بے معنی ہے۔

ج (۸) جب اجتہاد ہی بے اثر ہو گیا تو مجتہد کے اوصاف عالیہ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ بلکہ قانون سازی کی بجائے پیغمبرانہ مقاصد کے لیے اطلاق کی احتیاج پیدا ہو گئی ہے۔

ج (۹) فقہی اجتہاد نہیں بلکہ فکری اجتہاد ناگزیر ہو گیا ہے اور اس کا طریقہ صرف کتاب سنت پر توجہ کو مرکوز رکھنے کے لیے شرک فی النبوت سے اجتناب کو ضروری سمجھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی شخص کی رائے کو جگہ نہ دی جائے۔

ج (۱۰) جب تک پہلے یہ بات واضح نہ ہو کہ اسلامی ریاست ہوتی کیا ہے تب تک مباحثات کے برابر ضخیم جواب لکھنا بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔ اسلامی ریاست اسلامی معاشرے کے منظم ہونے سے وجود میں آتی ہے اور اسلامی معاشرے کے خصائص ہیں کہ وہ نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو اور اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الٰہی افراد پر مشتمل ہو جنکی ہر وجہہ کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں اور اس معاشرہ میں استحکام کی اساس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اور آپ کی ذات گرامی سے غیر منقسم وفاداری ہو تنظیم مطیع و مطاع کے وجود میں آنے کا نام ہے جب یہ دونوں وجود میں آجائیں تو مطاع کو قانونی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جبہ ا بھی اطاعت طلب کر سکتا ہے اگر اطاعت ہو اس اقتدار کی تسکین کے لیے طلب کی جائے تو ایک ظالمانہ نظام وجود میں آتا ہے اور فلاحی ریاست کا قیام ناممکن ہو جاتا ہے ایت مستبد نظام کو روکنے اور فلاحی ریاست کے وجود میں لانے کی شرط یہ ہے کہ

کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی وجود میں آئے جس کے نتیجے میں مطیع اور مطاع دونوں کے لئے منزل من اللہ احکام یکساں واجب التعمیل ہوں۔ صرف ایسی ہی ریاست کو اسلامی ریاست کہا جائیگا نیز مطاع محسوس کے بغیر معاہدہ عمرانی وجود میں نہیں آسکتا اس لیے قرآن مجید کے اس حکم کی بنیاد پر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ معاہدہ عمرانی کا وجود میں آنا ہی اسلامی ریاست کا صورت پذیر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ساری کائنات کی حاکمیت ہے اور یہ ایک مابعد الطبیعی تصور ہے سیاسی تصور نہیں کیونکہ خدا کی ذات نامشہود ہے اور مطاع نامشہود کے ساتھ معاہدہ عمرانی متصور نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ پاک فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ صدیق اکبرؐ بھی اپنے آپ کو خلیفہ رسول اللہ کہتے ہیں اور فقہ کی زبان میں محمد رسول اللہؐ ہی شارع (LAW-GIVER) ہیں اور اسلامی ریاست میں محمد رسول اللہؐ کے علاوہ کسی کا مطاع ہونا ناقابل تصور اور ناقابل عمل ہے جو لوگ خدائی حاکمیت پر اصرار کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی حاکمیت کے پردے میں رسول اللہ صلم کے نمونہ سیاست سے آزاد ہو کر اپنی حاکمیت قائم رکھنا چاہتے ہیں جو شرعاً و عقلاً برا اعتبار سے ناپسندیدہ ہے۔

مفتی شیخ محمد حسین صدر مؤثر علماء شیعہ رجسٹرڈ وکٹائن مہتمم سلطان المدارس الاسلامیہ گڑگاہا

(۱) اسلام میں قانون سازی کا دائرہ یہ حقیقت برقم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اسلام میں قانون سازی

یابا الفاظ دیگر دین سازی کا حق صرف مالک یوم الدین۔ کے قبضہ قدرت میں ہے نہ الحکم ولہ اذمر خداوند عالم نے قانون سازی کا یہ حق نہ کسی نبی رسولؐ

کو تفویض کیا ہے اور نہ ہی کسی ولی و امام کو سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حرام خداوندی کو حلال یا حلال الہی کو حرام قرار دیں۔
 ”لہ تحرم ما احل اللہ لک۔“ تا بدیگذاں چہ رسد؟ آنحضرتؐ بموجب ارشادِ قدرت ”یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک آپؐ مبلغ دین و ناشرِ شریعت رب العالمین تو ہیں مگر مقتضی قانون اور مشرع شریعت نہیں ہیں۔

سابقہ بیان سے اس سوال
 (۲) اس دائرہ عمل میں اجتہاد کا کیا مقام ہے؟ کا جواب بھی واضح و عیاں

ہو جاتا ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ سے کسی شرعی و دینی قانون سازی کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ اس کے ذریعہ سے خدا کے بنائے ہوئے اور پیغمبر اسلام کے پہنچائے ہوئے قواعد و کلیہ کو ان کے مختلف جزئیات پر منطبق کیا جاتا ہے، اور اس کی مدد سے نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے دلائل قرآن و سنت سے تلاش کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ دین اسلام کامل بلکہ اکمل اور خدا کا آخری پسندیدہ دین ہے۔ ان الدین عند اللہ۔
 الاسلام اور اس دین کے قانون کی کتاب یعنی قرآن مجید میں جمیع ما یحتاج الیہ الناس کو بیان کر دیا گیا ہے اور حقیقی معلم قرآن یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس کی تشریح و تفسیر بھی بیان کر دی ہے۔ تاہم اس میں ہر ہر پیش آمدہ واقعہ کی جزئیات و تفصیلات عامۃ الناس کو نظر نہیں آتیں۔ یہ ایک مجتہد کا کام ہے کہ ہر دور کے مقتضیات کے مطابق قرآن و سنت کے بحرِ ناپید اکنا میں غوطہ زنی کر کے نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کا استنباط کرے اور ہر ہر جزئی کو اس کی کلی کے ضمن میں داخل کرے اور اس کلی قانون کو اس جزئی پر منطبق کرے و پس۔

(۳) اجتہاد کی جامع و مانع تعریف جب سابقہ بیان سے اجتہاد کے دائرہ کار کا تعین ہو گیا ہے تو اس کے

اجتہاد کی فی الجملہ تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اجتہاد۔ جدوجہد سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی کسی دشوار کام میں کوشش و کاوش کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں "استفراغ الوسع فی تحصیل العلم ادا لظن بالحکم یعنی جامع الشرائط فقہ کا کسی حکم شرعی کا علم یا ظن حاصل کرنے کی خاطر اپنی انتہائی کوشش و کاوش کا برٹے کا لانا" یا بالفاظ دیگر "بذل الطاقۃ فی تحصیل الوظائف المدینیۃ" یعنی (کسی فقہ کا) اپنا دینی وظیفہ معلوم کرنے میں اپنی ممکنہ طاقت و قوت کا صرف کرنا۔ اس تعریف سے ظاہر ہے کہ اجتہاد کی حیثیت شریعت میں کاشفیت کی ہے۔ اسے موضوعیت حاصل نہیں ہے۔

(۴) کیا قیاس و استنباط کے علاوہ قرآن و سنت کی تعبیر بھی اجتہاد جانتے ہیں؟
کھلٹے کی نیز یا خذ کی حیثیت سے قرآن و سنت کا باہمی ربط کیا ہے؟ کا تعلق ہے۔

اس کے نقطہ نگاہ سے قیاس کا مآخذ قانون ہونا تو بجا ہے خود اس کے قیاس ہی جائز نہیں ہے۔ اس مذہب میں گو بطور وزن و زینت چار مآخذ ہیں (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) عقل۔ مگر ان سب میں سے مرکزی و بنیادی حیثیت قرآن و سنت کو حاصل ہے کہ قرآن اصل اور سنت اس کی تفسیر و تشریح ہے جہاں تک اجماع کا تعلق ہے اس کی محیت صرف قولِ معصوم کا حاکم یا اس کا کاشف ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اس سے قطع نظر اس کی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے یعنی اس بات کا کہ بلا بیان سزا دینا قبح ہے۔ یا جب کسی چیز کے وجوب میں شک

ہو تو اصل برأت ہے۔ تو یہ بھی اس بنا پر سند ہے کہ اس کی تائید قرآن و سنت سے ہوتی ہے ورنہ تنہا اس کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بل بوتے پر کوئی قانون بنایا جاسکتا ہے۔ بنا بریں قرآن و سنت سے مقررہ طریقہ پر (جس کی وضاحت بعد ازیں کی جائے گی) استنباط و استخراج احکام اجتہاد کھلانے گا۔ لہذا جہاں قرآن و سنت کی نص صریح موجود ہو تو قرآن و سنت کی تعبیر کو اصطلاح میں اجتہاد نہیں کہا جائیگا اور نہ ہی نص صریح کے بالمقابل اجتہاد کو کسی مذہب میں جائز ہے، بلکہ بالاتفاق بمقابلہ نص اجتہاد کرنا حرام اور بطل ہے۔ بہر کیف اصلی و حقیقی ماخذ دو ہیں ایک قرآن — جسے مرکزی حیثیت حاصل ہے اور دوسری سنت جو کہ قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔

(۵) کیا اس زمانہ میں آئمہ اربعہ کی رائے کی خلاف اجتہاد کرنا جائز ہے؟ یقیناً

بائنزبے۔ ہم حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور دیگر اکابر اسلاف کا احترام کرنے کے باوجود ان کی اس رائے سے اتفاق کرنے سے قاصر ہیں کہ ”اس زمانہ میں کوئی اجتہاد آئمہ اربعہ کی رائے کے خلاف نہیں ہونا چاہیے“ اور ہمارے اس اتفاق نہ کرنے کی وجہ درج ذیل ہیں۔

(الف) سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کوئی آیت یا روایت اس زمانہ میں ایسے اجتہاد کی بندش پر دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

(ب) خود آئمہ اربعہ میں سے کسی امام نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ ان کے بعد ان کی رائے کے خلاف اجتہاد کرنا حرام ہے! بلکہ اس کے برعکس ان کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے ان کی رائے کے خلاف اجتہاد کرنے کا جواز واضح ہوتا ہے۔ مثلاً

امام مالکؒ کہتے ہیں میں ایک انسان ہوں جس سے خطا و صواب دونوں ممکن ہیں میرے اقوال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھا کرو۔ امام اعظم فرماتے ہیں ”یہ میری بہترین رائے ہے اگر کوئی اس کے خلاف رائے قائم کرے گا تو میں قبول کر لوں گا“ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں ”اگر میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر مار دو“ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ”میں کلامِ خداؐ رسولؐ کے ساتھ اپنے کلام کو نہیں ملا سکتا۔ اس لیے میں فقہ میں کوئی کتاب نہیں لکھوں گا۔ (امام الصادقؑ و الامامہ الاربعہ) ان حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا دعویٰ پیراں نمی پرند میریاں می پرانند کا مصداق ہے۔ غالباً انہی حقائق کی بنا پر شیخ عبدالعظیمؒ کی نے اپنے رسالہ ”القول السدید میں تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ”خدا نے کسی شخص کو حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بننے کا حکم نہیں دیا اس لیے تو صرف رسولؐ اکرمؐ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔“

(ج) قرآن و سنت کے سمجھنے کی کوشش کرنے کو کس نے ممنوع قرار دیا ہے؟۔

(د) ترقی یافتہ علوم کے سہارے قرآن و سنت سے زمانہ حاضرہ کی ضروریات کیطابق استفادہ کرنے کو کس نے روکا ہے؟۔

(۵) کیا امامہ اربعہ کے بعد پیدا ہونے والے لوگ قرآن و سنت کو سمجھنے کے مکلف نہیں ہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو کیا وہ سب کے سب ناقص العقل و العلم ہیں؟ ان کے مقدّم میں یہ نقص کس نے اور کیوں کھ دیا ہے؟ اور سارا فضل و کمال صرف ان چار بزرگوں میں کس نے منحصر کر دیا ہے؟ انہی وجہ کی بنا پر علامہ جمال الدین افغانیؒ نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ ”اگر آج امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ زندہ ہوتے تو ہر حکم کو قرآن و سنت سے نکالتے اور ہر عوطہ زنی سے نئی نکر پیدا کرتے“

(خاطرات جمال الدین افغانی) الغرض یہ دعویٰ چونکہ بالکل بے دلیل ہے اس لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ باب اجتہاد کو مقفل کر دینا نہ صرف آزادیِ فکر پر کاری ضرب ہے بلکہ اصل اسلام پر زبردست حملہ ہے۔ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر اس باب کا کھولنا اشد ضروری ہے۔ اسی لیے مذہبِ شیعہ کی رو سے باب اجتہاد ہمیشہ کھلا رہے گا۔

(۶) فقہ اسلامی میں جمود کا اصل سبب؟
اس جمود و خمود کی کوئی شخص چاہے جو تاویل و توجیہ پیش کرے۔ مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جو شخص بھی اس کے حقیقی علل و عوامل کا بغور غائر جائزہ لے گا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کا اصلی سبب خالص سیاسی تھا۔ سلاطین

نے اجتہاد کو اس لیے روکا تھا کہ اپنے ملک کو بچائیں؛ اپنے مد مقابل کو دباویں اور اگر کوئی مصلح و ریفارمر پیدا ہو تو اس کی آواز اور فکرِ جدید پر پہرے بٹھائیں تاکہ اس کی بات نہ سنی جائے اس لیے وہ فقہ اسلامی جس سے اسلام اور مسلمانوں کی زندگی وابستہ تھی منجمد ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ الغرض ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ باب اجتہاد کو بند کرنا کوئی شرعی کام نہ تھا بلکہ یہ کام تمام تر سیاسی مقاصد و اغراض کے ماتحت انجام دیا گیا تھا۔ لہذا آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس جمود و خمود کی زنجیروں کو توڑا جائے اور باب اجتہاد کو کھول کر اس کی آب یاری کی جائے اور نئے پیدا شدہ مسائل کو نئے اندازِ فکر سے حل کرنے کی کامیاب کوشش کی جائے۔ اس حقیقتِ ثابتہ کا اعتراف علماءِ اہلسنت نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو دالۃ الفہم فی السیاسة الاسلامیة - لادکتور عبدالصائم الانصاری - الوحدۃ الاسلامیہ للدراسات محمد رشید رضا المصری)

(۷) آیا ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد میں تغیر و تبدل جائز ہے؟
ہاں جائز ہے اور

یقیناً جائز ہے۔ اور اس کی وجہ عنوان نمبر ۵ کے ذیلی بیان حقیقت ترجمان سے بالکل واضح و عیاں ہے۔ لہذا اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) ایک مجتہد میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے؟
مجتہد جامع الشرائط
میں چند اوصاف

جلیلہ و جمیلہ کا پایا جانا ضروری ہے (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) علوم آلیہ از قسم صرف و نحو، معانی، بیان و ادب اور اصول فقہ وغیرہ کی معتد بہ ضروری مقدار اور قدرے منطق۔ اور اسلامی علوم از قسم تفسیر و حدیث اور فقہ میں کامل دسترس و مہارت (۴) ملکہ استنباط و استخراج احکام جو کہ ایک لطیفہ و ربانیہ و مواہبت الہیہ ہے جس کے حصول کے لیے مذکورہ بالا صفات کے علاوہ کچھ اور صفات جلیلہ از قسم تخلق باخلاق عالیہ و تخلی از ذائل نفسانیہ ضروری ہے۔
(ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ) (۵) علاوہ بیس مرجع تقلید (جس کی دوسرے تقلید کریں) جو جس میں ان امور کا ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے (۱) مرد ہونا (ب) آزاد ہونا۔
(ج) عادل ہونا۔ کیونکہ عورت، غلام اور فاسق و فاجر کی تقلید جائز نہیں ہے۔

(۹) اجتہاد کا صحیح طریقہ کیا ہے؟
اس کا صحیح طریقہ کاریہ ہے۔ کہ جب کوئی
نیا مسئلہ درپیش ہو تو مجتہد کو چاہیے

سب سے پہلے قرآن اور اس کے بعد سنت کی طرف رجوع کرے اگر ان میں کوئی نص صریح مل جائے تو بہا ورنہ قرآن و سنت کے کلیات پر نظر غائر ڈال کر دیکھے کہ یہ جرنی کس کلی کے تحت آتی ہے؟ کس قاعدہ کلیہ کے ضمن میں مندرج ہے؟ اور یہ خصوصی مسئلہ کس عمومی مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے؟ اس سلسلہ میں مقررہ کے عرف اہل علم و دین

کے مرکزات سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر پیشوایان دین کا ارشاد ہے
 عَلَيْنَا الْقَاءُ الْأَصُولَ وَعَلَيْكُمْ أَنْ تَتَفَرَّعُوا ۚ اصول اور قواعدِ کلیہ پیش کرنا
 ہمارا کام ہے اور ان سے فروعی احکام استنباط کرنا تمہارا کام ہے! (ارشاد امام جعفر صادقؑ)
 (۱۰) اسلامی یاست میں اجتہاد کو قانون کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوگا؟ بادی النظر
 میں اس

کا آسان طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے تمام مکاتب فکر کے صاحب الرائے (یعنی
 ملکہ استنباط رکھنے والے) چند اعلام کی حکومتی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور وہ نمائندے
 پیش آمدہ مسائل پر آزادانہ فضا میں مکمل غور و فکر کریں اور جس نتیجہ پر پہنچیں اس کی سفارش
 حکومت کو پیش کریں اور حکومت اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر اسے قانون کا درجہ
 دے کر نافذ کرے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ وما

علینا الا البلاغ

حافظ صلاح الدین یوسف ایڈیٹر الاعتصام لاہور

آپ کے سوالات کا مختصر جواب حسب ترتیب پیش خدمت ہے۔

سوال ۱: اسلام میں قانون سازی کا دائرہ عمل کیا ہے۔

جواب: ایک شخص جب قبولیت اسلام کا اعلان کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اللہ کے سامنے سرگندہ ہو جانے کے بعد ایک مسلمان کی اپنی مرضی اور خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ اب وہ ہر بات میں اللہ کے حکم کا تابع ہے۔ ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ (الانعام)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پسند و ناپسند کی وضاحت قرآن کریم اور صاحب قرآن کریم نبیؐ آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے فرمادی ہے۔ گویا مسلمان کے لیے دو ہی چیزیں واجب الطاعت ہیں ایک قرآن کریم اور دوسری حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ نبیؐ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ مَنْ بَطَعَ رَسُولًا فَقَدْ بَطَعَ اللَّهَ غَيْرَ هَؤُلَاءِ آیات۔
علاوہ ازیں مسلمان کو یہ تاکید کر دی گئی ہے کہ شرعی احکام میں اس کے اپنے ارادے اور اختیار کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسے ہر معاملے میں ہر صورت اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (الاحزاب: ۳۶)

اور فلا ورمك لا يؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثقل لا یجدو
فی انفسہم حرجاً متقضیت ویسلموا تسلیمًا۔ (النساء: ۶۵)

اس اعتبار سے اسلام میں ۱۱ قانون ساز (شارع) مرد و عورت، اطفال، عورت اور دوسرے

پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانونِ حیات (قرآنِ کریم) کے اجمال کی تفصیل، ابہام کی تفسیر و تشریح اور اطلاق کی تفسیر و حکم قرآنی و اُنزلنا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (الخلع: ۴۴) فرمائی۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تشریح قرآنی، جسے قرآن اُسوہ حسنہ سے بھی تعبیر کرتا ہے، اللہ کی مرضی کی نمائندگی اور اس کی تکمیل کرتی ہے۔ اس لئے اب قرآنِ کریم اور نمونہ محمدی (قول و فعل رسول) ان دونوں کے مجموعے کا نام شریعت ہے اور یہی شریعت اسلامیہ ایک مسلمان کے لیے سب سے برتر قانون ہے جسے نظر انداز کر کے یا جس کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔ اب مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ جو نظامِ زندگی قرآن و حدیث میں اس کے لیے متعین کر دیا گیا ہے اس سے کسی قسم کا انحراف نہ کرے، یہی اسلام کا تقاضا اور ایمان کا مطالبہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک مسلمان تمام شعبہ ہائے حیات میں قرآن و حدیث کی ہدایات و احکام کا پابند ہے اور اس سے یک سر نہوا انحراف کی اسے اجازت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سرے سے قانون سازی کا مجاز ہی نہیں ہے اور ایک اسلامی ریاست میں قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اگر مذکورۃ الصدر سوال کا جواب ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں قانون سازی کی گنجائش تو ضرور ہے، لیکن مغربی جمہوری ریاستوں کی طرح اس میں قانون سازی کا یہ حق غیر محدود نہیں، محدود ہے۔ مغرب کے جمہوری نظام میں قانون سازی کا یہ حق عوام کو حاصل ہے، ان کی اکثریت جس چیز کو پسند یا ناپسند کرے گی، اس کو قانون کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن ایک اسلامی ریاست میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے، اس لئے وہاں کے مسلم عوام اللہ کی پسند و ناپسند کو نظر انداز کر کے اپنے طور پر کوئی قانون سازی نہیں کر سکتے۔ وہاں قانون سازی کا دائرہ عمل محدود و منہ

چنانچہ اسلامی معاشرہ و ریاست میں حسب ذیل صورتوں میں قانون سازی کی گنجائش ہے۔

- ۱۔ جن معاملات کے بارے میں شریعت بالکل خاموش ہے نہ براہ راست ان کے متعلق کوئی حکم ہے اور نہ ان سے ملنے جلتے معاملات ہی کے متعلق کوئی ہدایت ملتی ہے۔
- ۲۔ ایسے معاملات جن کے بارے میں اگرچہ کوئی شرعی نص نہیں ہے لیکن ان سے ملنے جلتے معاملات کے بارے میں شریعت کا حکم موجود ہے۔

اول الذکر معاملات میں اس انداز سے قانون سازی کی جائے گی جو اسلام کی رُوح اور اس کے اصول عامہ سے مطابقت رکھتی ہوگی۔

ثانی الذکر معاملات میں قانون سازی کی صورت یہ ہوگی کہ احکام کی علتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان تمام معاملات میں ان کو جاری کیا جائے گا جن میں وہ علتیں پائی جائیں گی اور ان معاملات کو ان سے مستثنیٰ ٹھہرایا جائے گا جن میں وہ علتیں نہیں پائی جاتیں۔

- ۳۔ علاوہ ان میں ایک تعبیری قسم قانون سازی کی یہ بھی ہے کہ اسلامی احکام کی تدوین نوکی جائے اور ہر سرباب کو شوق و ارادہ و رغبہ وار متب کیا جائے جس طرح کہ آج کل کے دساتیر اور قوانین ہیں۔ جب کسی اسلامی ریاست میں اسلام کو نافذ کیا جائیگا تو اس انداز کی تدوین نو اور قانون سازی ناگزیر ہے۔

سوال ۷۔ اس دائرہ عمل میں اجتہاد کو کیا مقام حاصل ہے؟

جواب۔ غیر منصوص معاملات میں شارع کی مرضی و منشا کے مطابق قانون سازی ہی کا نام قیاس و استنباط اور اجتہاد ہے، جس کی ضرورت عہد صحابہؓ بلکہ عہد رسالت سے اب تک مُسلم ہے۔ جب اجتہاد ایسی اہم چیز ہے کہ ہر دور میں اس کی ضرورت ہے تو ظاہرات ہے کہ اس کا مقام بھی بہت اُونچا ہے۔ اس لئے اجتہاد کو فقہ اسلامی کی رُوح اور اس کے لئے سرچشمہ حیات قرار دیا جائے تو بجا ہے کیونکہ اجتہاد کو مقصد احکام اور اس کے خصائص کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پتہ اسلام کے مقصد اور اس کی خصوصیات کو سمجھ لیا جائے اس کے بعد اجتہاد کی اہمیت اور اس